© rasailojaraid.com

مولانا مودودیؒ اور علوم کی اسلامی تدوین

جناب مجتبیٰ فاروق (ایم، اے) ___________

اسلام اور اس کی تہذیب پر مغربی فکر و تہذیب کے غلبے کی ایک طویل تاریخ ہے، لیکن اٹھارویں صدی میں یہ بام عروج پر پہنچ گئی۔ اس دوران میں جہاں عالم اسلام زوال کی کیفیتوں سے دوچار ہونے لگا وہیں مغربی فکر و تہذیب نے مسلم دنیا کے ہر کونے میں ان گنت سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کو جنم دیا۔ انیسویں صدی سے عالم اسلام کو ایک نئی طاقت ور لہر کا سامنا کرنا پڑا، جسے ہم یورپی استعماریت کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کی وجہ سے برصغیر میں ۱۸۵۷ء میں مغلوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کا خاتمہ ہوا اور استعماری قوتوں کے علم بردار برطانیہ نے متحدہ ہندوستان پر قبضہ جمایا۔ ابھی یہ غم ناک حادثہ تازہ ہی تھا کہ اس کے ٦٦ سال بعد خلافتِ عثمانیہ یعنی اسلامی خلافت کے بچے کھچے اثرات کو بھی ۱۹۲۴ء میں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ خلافتِ عثمانیہ اسلامی فکر و تہذیب کی کسی حد تک پاسبان ہی نہیں، بلکہ امید کی کرن بھی تھی، جو ختم ہو گئی۔ اس کے بعد عالم اسلام کے ہر کونے میں استعماری قوتوں نے اپنے استبدادی پنجے گاڑ دیے اور اپنی فکر و تہذیب کو فروغ دیا۔ مغربی فکر و تہذیب کے غلبے کے نتیجہ میں مسلمان آہستہ آہستہ اسے اور اس کے فلسفۂ تعلیم کو اختیار کرتے چلے گئے۔ ان کے دلوں اور ذہنوں پر مغربی فکر و تہذیب کا تسلط ہو گیا، ان کی فکر و سوچ مغربی سانچوں میں ڈھل گئی اور ان کے افکار و نظریات مغربی فکر و تحقیق کے مطابق پرورش پانے لگے، ان کے اخلاق، سماجی رویے، خاندانی نظم و نسق اور سیاست، سب کچھ مغربی فکر و فلسفہ کے رنگ میں رنگ گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء اور دانش وروں کی حالتِ زار

بیسویں صدی میں علماء کرام کی حالات سے بے تعلقی، دین کی معذرت خواہانہ تشریح، تقلیدی ذہنیت، لگے بندھے اصولوں کی پابندی، جمود اور تعطل ہر طرف نمایاں تھا۔ ان میں زمانہ کی رفتار کو پکڑنے کی صلاحیت مفقود تھی اور وہ اجتہادی بصیرت سے محروم تھے۔ یہ طبقہ اپنے منصب اور تشخص کو تقلید سے ناکارہ کر چکا تھا۔ علماء کرام چوں کہ عالمِ اسلام کا سب سے اہم اور کلیدی طبقہ تصور کیا جاتا ہے، جن کے کندھوں پر امت مسلمہ کی رہ نمائی کرنے کے ساتھ مغربی فکر وتہذیب کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری بھی عائد تھی، لیکن افسوس کہ وہ اس فرض منصبی کو انجام نہ دے سکے۔ انفرادی طور پر کچھ کوششیں ضرور ہوئیں، لیکن وہ ناکافی تھیں۔ علماء کا کام یہ تھا کہ وہ اس وقت بیدار ہوتے، آنے والی تہذیب کے اصول ومبادی کو سمجھتے، مغربی ممالک کا سفر کرکے ان علوم کا مطالعہ کرتے جن کی بنیاد پر یہ تہذیب اٹھی ہے، اجتہاد کی قوت سے کام لے کر ان کارآمد علمی اکتشافات کے عملی طریقوں کو اخذ کرتے جن کے بل پر مغربی قوموں نے ترقی کی ہے اور ان نئے کل پرزوں کو اصولِ اسلام کے ماتحت مسلمانوں کے تعلیمی نظام اور ان کی تمدنی زندگی میں اس طرح نصب کردیتے کہ اس کی گاڑی پھر سے زمانہ کے ساتھ چلنے لگتی۔ [۱] وہ یہ سب کچھ نہ کرسکے، اس کے علاوہ وہ زمانہ کے متغیر حالات، رجحانات اور نئی نسل کی ذہنیتوں کو سمجھنے میں بھی پوری طرح سے ناکام رہے۔ مولانا مودودی کے مطابق "جدید حالات نے مسلمانوں کے لیے جو پیچیدہ علمی اور عملی مسائل پیدا کردیے ہیں ان کو حل کرنے میں ان حضرات کو ہمیشہ ناکامی ہوئی ہے، کیوں کہ ان مسائل کا حل اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں اور یہ لوگ اجتہاد کو اپنے اوپر حرام کر چکے تھے۔ [۲] قرآن وسنت کی ہدایت سے اسلام کے آفاقی اور دائمی اصول اخذ کرنا اور ان کے مطابق نت نئے مسائل کو حل کر لینا ان کے بس میں نہ تھا۔ وہ اپنی توانائیاں اور ذرائع ووسائل صرف فقہ اسلامی پر صرف کر رہے تھے اور جو کچھ کام ماضی میں ہو چکا تھا ان ہی کے حاشیے در حاشیے لکھ رہے تھے۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں کتابیں فقہ، علم کلام اور حدیث کی تشریح وتوضیحات پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھی جارہی ہیں۔

دوسرا طبقہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کا تھا، جو شکست خوردہ ذہنیت کا حامل تھا۔ یہ بھی امت مسلمہ کے لیے مفید اور معاون ثابت نہیں ہوا۔ یہ طبقہ امت مسلمہ کی علمی و ادبی اور سیاسی گاڑی پر براجمان تھا۔ یہ گروہ اسلام کے اصول ومبادی، اس کے اجتماعی نظام، اس کے تمدنی قوانین اور اسلامی اسپرٹ سے بالکل ناآشنا تھا، نیز جدیدیت اور مغربی فکرو تہذیب سے بے حد مرعوب تھا۔ چنانچہ ہر چیز اور ہر مسئلہ کو مغربی فکر و تحقیق کی نظر سے ہی دیکھتا تھا۔ اسی لیے وہ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کو اسلام کے برعکس مغرب سے اخذ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں شکست خوردہ ذہنیت نے جنم لیا۔ پہلے وہ جمود کا شکار ہوئے، جس کا لازمی نتیجہ انحطاط ہے اور مولانا مودودی کے بہ قول انحطاط کا لازمی نتیجہ مغلوبیت ہوتا ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

> ''اسلام کے غلبہ کے دور میں تمام دنیا یہ محسوس کرتی تھی کہ تہذیب، تمدن اور فکروعلم ہے تو مسلمانوں کی ہے۔ اب اس کے برعکس صورت حال پیدا ہوئی کہ خود مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات اتر گئی کہ کوئی تہذیب ہے تو اہل مغرب کی ہے، کوئی تمدن ہے تو اہل مغرب کا ہے، علم وفن جو کچھ بھی ہے اہل مغرب کا ہے، ہمارا کام ان کے پیچھے چلنا اور ان کی تقلید کرنا ہے۔''۳؎

بیسویں صدی کے آغاز ہی سے مغربی علوم وفنون نے عالم اسلام میں اپنے اثرات دکھانے شروع کیے۔ مسلمانوں نے مرعوب ہوکر اسے اپنے تعلیمی اداروں میں جگہ دی، حالاں کہ مسلمانوں کا کام یہ تھا کہ انہیں اپنے اسلاف سے جو علمی ورثہ ملا تھا اس کو آگے بڑھاتے اور اس میں مزید ترقی کرتے، لیکن انھوں نے اپنے دینی علمی ورثہ پر، جو حق وصداقت، راست روی، دیانت، پاکیزگی، احساس ذمہ داری، نیکی، حیا جیسے اہم اور بنیادی اصولوں پر مبنی ہے، مغربی طرز فکر کو ترجیح دے کر اسے حرفِ آخر کی مانند سمجھنے لگے۔ چنانچہ انھوں نے ایسے فکروفلسفہ کو اختیار کیا جس میں نہ کسی علیم وقدیر خدا کے خوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گنجائش ہے، نہ نبوت، وحی والہام کی ہدایت کا کوئی وزن، نہ موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا تصور، نہ حیاتِ دنیا کے بعد حساب وکتاب کا کوئی کھٹکا، نہ انسان کی ذاتی زندگی کی ذمہ داری کا کوئی سوال، نہ زندگی کے کسی بھی نصب العین کا کوئی امکان۔ غرض یہ ہر اعتبار سے مادیت پر مبنی ہے۔ [۴]

مولانا مودودیؒ کی فکری خدمات

مولانا مودودی بیسویں صدی عیسوی کے عظیم اسلامی مفکر تھے۔ انہوں نے نہ صرف مغربی فکر وتہذیب سے مرعوبیت کو ختم کرنے میں نہایت اہم رول ادا کیا، بلکہ مغربی دانش وروں کے اعتراضات کی تردید کی اور عقلی ومنطقی دلائل سے ان کا زبردست مقابلہ کیا۔ وہ ان چند اسلامی مفکرین میں سے ہیں جنھوں نے برطانوی استعمار کے مذموم مقاصد اور مغربی فکر وفلسفہ کا نہ صرف صحیح ادراک کیا، بلکہ اس کے تدارک لیے فکری جہاد بھی کیا۔ ان کی فکر ابتدا ہی سے دفاعی نہیں، بلکہ اقدامی نوعیت کی تھی اور ان کے افکار میں مرعوبیت اور معذرت پسندانہ لہجہ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ماضی میں امام غزالیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور شاہ ولی اللہؒ کی طرح وقت کے سوالات کا اسلام کی روشنی میں جواب دیا اور اپنی تحریروں کے ذریعہ فکر اسلامی کی توضیح وتشریح کی۔ انھوں نے جہاں مغربی فکر وتہذیب کا طلسم توڑا وہیں ان دانش وروں پر بھی زبردست فکری حملہ کیا جو اسلام اور اس کی تہذیب کو ماضی کا قصہ اور فرسودہ تصور کرتے تھے۔ وہ بیسویں صدی کے ایک ایسے مفکر تھے جس نے اسلام کو نہایت پرزور اور مدلّل انداز میں دنیائے انسانیت کے لیے متبادل قرار دیا اور اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے قابلِ عمل ٹھہرایا۔ انھوں نے قرآن وحدیث اور اجتہاد میں ترتیب قائم کر کے ان کی اہمیت وافادیت بیان کی، نیز مسلمانوں میں فکر اسلامی کے احیاء کی تحریک پیدا کی۔ آج وہ اسی مؤثر نظریہ کی بدولت اہل فکر و دانش میں توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ ولفرڈ کانٹ ول سمتھ (W.C.Smith) نے بجا طور پر کہا ہے:

"Perhaps the most significant constitution of

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Mawdudis possion has been the gradual and continual elaboration of an impressive system of ideas. Mawdudi would appear to be much the most systematic thinker of moderen Islam "(5)

(مولانا مودودی نے بہ تدریج اور عرق ریزی سے مؤثر نظریات کے منظم اور باقاعدہ نظام کی تشکیل کی ہے، جو ان کے مقام و مرتبے اور جدوجہد کا اہم حصہ ہے۔ ان کا شمار جدید اسلامی دنیا کے منظم ترین مفکر کے طور پر کیا جائے گا۔)

مولانا مودودی کا طرز استدلال شان دار، مضبوط اور پر کشش تھا۔ اس تعلق سے اسکول آف اورینٹل لینگویجز اور امیریکن اسٹڈیز ان برٹش کے لکچرر اور جرمن اسکالر پٹر ہاٹنگ، جنھوں نے مولانا مودودی کی زندگی اور ان کی فکر پر کم وبیش پندرہ سال تحقیق کی ہے، کہتے ہیں:

"Mawdudi had a huge effect on the cause of the 20th century by insisting that Islam as a pure and regorus form could be a recipe for contemporary life "(6)

(مولانا مودودی نے بیسویں صدی میں دوررَس اثرات مرتب کیے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اسلام اپنی خالص ترین اور انتہائی توانا شکل میں دور جدید کی زندگی پر غیر معمولی حد تک اثر انداز ہوا ہے۔ وہ اپنے پیرو کاروں کو اچھی زندگی بسر کرنے میں مدد دینے کی بھر پور صلاحیت رکھتا ہے۔)

مولانا مودودی نے علمی وفکری، سیاسی، تعلیمی، معاشی، معاشرتی، قانونی اور سماجی دائروں میں نہایت وسیع اثرات مرتب کیے۔ انھوں نے اسلام کو ہر دور کے لیے رہ نمائی کا ذریعہ ثابت کیا اور دکھایا کہ کس طرح اسلام پر عمل پیرا ہو کر دین ودنیا کی فلاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کی جاسکتی ہے۔ انھوں نے مدلّل انداز میں بتایا کہ اسلام ایک ایسی نظریاتی قوت ہے جو دنیا کی قیادت و سیادت اور رہ نمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انھوں نے اسلام کو جامع نظامِ حیات اور اعلیٰ اقدار کے حامل فکر و فلسفہ طور پر پیش کیا۔ انہوں نے ان لوگوں پر تنقید کی جو اسلامی ریاست اور اس کے قیام کو محض خیالی پلاؤ (Utopian concept) قرار دیتے تھے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں اسلام کو زندۂ جاوید مذہب قرار دیا اور بتایا کہ دورِ جدید کے نت نئے نظریات اور مسائل کو اسلام ہی حل کرسکتا ہے۔ استاد فتحی عثمان لکھتے ہیں:

> "Mawdudis sharp intellectuality and vast knowledge were evident in his analysis of contemporary Muslim circumstances ,in his presentation of Islamic teachings and their relivance and in his comparison between teachings and other reform idiologies "(7)
>
> (معاصر مسلم دنیا کے تجزیے، اسلام کی عالم گیر تعلیمات کی وضاحت اور موجودہ حالات سے ان کی مطابقت اور دوسرے معاصر افکار و نظریات کا تقابلی مطالعہ جیسے اہم موضوعات میں، مولانا مودودی نے بے پناہ ذہانت و صلاحیت اور وسیع علم کا مظاہرہ کیا۔)

مولانا مودودی نے اہلِ علم کے ایک بڑے طبقے کو اس بات کا قائل کیا کہ اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ طبقہ اس فکر کا ترجمان بن گیا۔ اس نے کم و بیش اسلامیات کے ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور ایسی جان دار تحریریں چھوڑیں کہ نہ صرف عام لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا، بلکہ خواص بھی ان کی فکر انگیز تحریروں سے مستفید ہوئے۔ بہ قول رائے جکسن (Roy Jackson) آج مولانا مودودی کی فکر اور ان کی تحریریں نہ صرف عالم اسلام میں، بلکہ مغربی دنیا میں بھی مستقل طور سے پڑھی جارہی ہیں اور اسلامی احیاء کے جدید عنوانات پر مسلسل ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تحریروں سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ ۸؎ مغربی فکر وتہذیب سے متاثر نئی نسل مختلف ذہنی اشکالات اور تہذیب حاضر کے نت نئے مسائل اور الجھنوں میں گھری ہوئی تھی۔ مولانا نے اس کو بہ حسن وخوبی مخاطب کیا ہے۔ ان کی تحریریں اور ان کا تیار کردہ لٹریچر ان کی حیات ہی میں دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر ہر جگہ پہنچ گیا تھا، جس کے نمایاں اثرات دیکھے گئے۔

مولانا مودودی کے تین کارنامے ایسے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے: (۱) فکر اسلامی پر بے مثال لٹریچر (۲) قرآن پاک کا ترجمہ و تفسیر تفہیم القرآن۔ (۳) احیائے دین کے لیے جماعت اسلامی کا قیام۔ اس کے علاوہ انھوں نے مفکرین اور مصنفین کی ایک ایسی ٹیم تیار کی جن کی فکر اور تحریروں نے دیر پا اثرات قائم کیے ہیں۔ مولانا نے ان کی ذہنی تربیت کر کے انہیں ایسی تحریک دی کہ انھوں نے مختلف علمی اور فکری میدانوں میں ان مٹ نقوش اور اثرات چھوڑے۔

نظامِ تعلیم سے مولانا کی دل چسپی

تعلیم و تربیت کسی بھی ریاست کا ایک اہم ستون کہلاتا ہے۔ کوئی بھی قوم، تحریک یا فرد اس سے عدم دل چسپی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا ہے۔ بیسویں صدی میں چند اسلامی مفکرین نے نظام تعلیم کے تعلق سے بھر پور دل چسپی دکھائی۔ مولانا مودودی ان میں سے ایک ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم کا مکمل تصور ان کے افکار و نظریات میں واضح اور نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اسلامی نظام تعلیم کو مغربی نظام تعلیم کے مقابلے میں پیش کیا۔ اس کے لیے مطلوبہ تبدیلیوں کے تعلق سے انھوں نے یہ تصور دیا کہ جدید علوم بالخصوص سماجی علوم (Social Sciences) کا اسلامی نقطۂ نظر سے گہرا جائزہ لینا، اس کو فاسد نظریات و اثرات سے الگ کرنا اور اسلامی قدروں کے مطابق جدید علوم وفنون کی تشکیل نو کا کام کرنا ضروری ہے۔ مسلم مفکرین اور ماہرین تعلیم نے اس موضوع پر اتنی توجہ نہیں دی جتنی توجہ کا یہ مستحق تھا۔ جناب نعیم صدیقی نے بجا فرمایا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"مولانا مودودی نے اپنی تحریروں میں ایک جامع حکمتِ تعلیم، اس پر عمل پیرا ہونے کی اسکیم اور اس کے لیے خاکۂ نصاب وغیرہ مسائل پر اتنا مواد ہمارے سامنے رکھ دیا کہ اگر وہ کوئی اور کام نہ کرتے تو یہی ایک کارنامہ انہیں ہماری تاریخ کی ایک عظیم شخصیت بنانے کے لیے کافی تھا۔" ۹؎

رائج نظام تعلیم کا تنقیدی جائزہ

مولانا مودودیؒ نے رائج نظام تعلیم کا گہرائی سے جائزہ لیا۔ ان کے نزدیک جن تین نظام ہائے تعلیم کو بدلنا بے حد ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) جدید، یا مغربی نظام تعلیم

(۲) قدیم، یا مدرسوں کا نظام تعلیم

(۳) قدیم و جدید کا مغلوبہ

ان تینوں مروّجہ نظام ہائے تعلیم کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"امامت میں انقلاب پیدا کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ ان تینوں نظام ہائے تعلیم سے ہٹ کر ایک بالکل نیا نظام تعلیم بنایا جائے، جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہائی مدارج تک تینوں سے مختلف ہو۔" ۱۰؎

تعلیم گاہوں کا تنقیدی جائزہ

مولانا مودودی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے تعلیمی نصاب کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس وقت مسلم یونی ورسٹی میں جو طریقِ تعلیم رائج ہے وہ تعلیم جدید اور اسلامی تعلیم کی ایک ایسی آمیزش پر مشتمل ہے جس میں کوئی امتزاج اور کوئی ہم آہنگی نہیں۔ دو بالکل متضاد اور بے جوڑ تعلیمی عنصروں کو جوں کا توں لے کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے قطع نظر خالص تعلیمی نقطۂ نگاہ سے بھی اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اس قسم کے متبائن اور متزاحم عناصر کی آمیزش اصلاً غلط ہے اور اس سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔''۱۱؎

مولانا کے نزدیک اس طرح کی جو کوششیں ہورہی ہیں ان کے دنیاوی اور مادی فوائد سے کسی کو انکار نہیں، مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو طرزِ تعلیم علی گڑھ اور دوسری درس گاہوں میں اختیار کیا گیا وہ ایک خفیف سی ترمیم کے ساتھ اس طرزِ تعلیم کا چربہ تھا جو انگریزی حکومت نے رائج کیا تھا۔۱۲؎

ندوۃ العلماء کا قیام ۱۸۹۴ء میں عمل میں آیا۔ یہ ملت اسلامیہ ہند کے لیے ایک نئی امید کے طور پر وجود میں آیا، جو آغاز ہی سے قدیم و جدید نظامِ تعلیم کا سنگم کہلاتا تھا۔ مولانا مودودیؒ اس کے نصاب تعلیم سے مطمئن نہ تھے ۔ ۵ جنوری ۱۹۶۱ء کو انہوں نے ندوہ کے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''لوگ اس گمان میں ہیں کہ پرانی تعلیم میں خرابی صرف اتنی ہی ہے کہ نصاب بہت پرانا ہوگیا ہے، اس میں بعض علوم کا عنصر بعض علوم سے کم یا زیادہ ہے اور جدید زمانہ کے بعض ضروری علوم اس میں شامل نہیں ہیں، اس لیے اصلاح کی ساری بحث صرف اس حد تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے کہ کچھ کتابوں کو نصاب سے خارج کر کے کچھ دوسری کتابوں کو داخل کردیا جائے۔۔۔۔اور بہت زیادہ روشن خیالی پر جو لوگ اتر آتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صاحب، ہر مولوی کو بس میٹرک تک انگریزی پڑھا کر اس قابل کر دیا جائے کہ کم از کم تار پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہوجائے۔۔۔۔۔اس سے زیادہ اگر کچھ فائدہ ہوسکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ پہلے سے زیادہ کچھ کام یاب قسم کے مولوی پیدا ہوجائیں، جو کچھ جرمنی اور امریکہ کی باتیں بھی کرنے لگیں۔ اس ذرا سی اصلاح کا نتیجہ یہ کبھی نہیں نکل سکتا کہ دنیا کی امامت و قیادت کی باگیں علمائے اسلام کے ہاتھ میں آجائیں۔''۱۳؎

عام قسم کے کالجز اور مدرسوں میں جو نصابِ تعلیم رائج ہے وہ بھی انتہائی ناقص اور بے مقصد ہے۔ فرد اور سماج کی تعمیر و اصلاح کے لیے ان کالجز کے پاس نہ نظم و نسق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور نہ کوئی ٹھوس عملی پروگرام ہی ہے۔ ان میں طلبہ اور نوجوانوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے وہ ان کو دنیا کی امامت و رہ نمائی کے لیے نہیں، بلکہ غارت گری اور فساد کے لیے تیار کرتی ہے۔ ان تعلیمی اداروں سے جو افراد نکلتے ہیں ان کا نقطہ نظر، ان کا مقصد، ان کی اخلاقی قدریں اور ان کا تصور کائنات (World View) مغربی فکر کے مطابق قرار پاتا ہے۔ مولانا مودودی نے ایک کالج کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر ان جدید تعلیمی اداروں کی اسکیم پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''دراصل میں آپ کی اس مادر علمی کو اور مخصوص طور پر اسی کو نہیں، بلکہ ایسی تمام ماڈرن تعلیم گاہوں کو درس گاہوں کے بجائے قتل گاہ سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک آپ فی الواقع یہاں قتل کیے جا رہے ہیں اور یہ ڈگریاں، جو آپ کو یہاں ملنے والی ہیں، یہ دراصل موت کے صداقت نامے (Death Certificate) ہیں، جو قاتل کی طرف سے آپ کو اس وقت دیے جا رہے ہیں جب کہ وہ اپنی حد تک اس بات کا اطمینان کر چکا ہے کہ اس نے آپ کی گردن کا تسمہ تک لگا رہنے نہیں دیا۔''[۱۴]

علوم کی اسلامی تدوین کا نظریہ

انیسویں اور بیسویں صدی میں عالم اسلام کے چند مفکرین اور مصلحین نے امتِ مسلمہ کو فکری بحران سے نکالنے کے لیے کچھ کوششیں کیں۔ سر سید احمد خاں (۱۸۱۷۔ ۱۸۹۸ء) نے برصغیر میں اور محمد عبدہ (۱۸۴۹۔ ۱۹۰۵ء) نے عالمِ عرب میں فکری بیداری میں نمایاں رول ادا کیا۔ ان دونوں مفکرین نے مغربی سائنس و فلسفہ کو اختیار کرنے پر زور دیا اور اسی کو امت مسلمہ کے مسائل کا حل قرار دیا۔ مسلمانوں کے فکری اور تعلیمی نظام پر ان دونوں کے نمایاں اثرات پڑے ہیں۔ کچھ دوسرے مفکرین اور مصلحین مغربی فکر کے چیلنج کا جواب دینے کے لیے سامنے آئے اور انھوں نے مسلمانوں کو اسلامی فکر و فلسفہ اور اسلامی نظام تعلیم اختیار کرنے پر زور دیا۔ ان میں الجزائر میں امیر عبد القادر (۱۸۰۷۔ ۱۸۸۳ء)، برصغیر میں مولانا محمد قاسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نانوتوی (۱۸۳۳ـ ۱۸۸۰ء) اور علامہ اقبال (۱۸۷۷ـ ۱۹۳۸ء)، ایران میں ڈاکٹر علی شریعتی (۱۹۳۳ـ ۱۹۷۷ء) اور الجزائر میں عبدالحمید البادیس (۱۸۸۹ءـ ۱۹۴۰) قابل ذکر ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے برصغیر میں مولانا مودودی نے علمی اور فکری محاذ سنبھالا اور مغربی فکر وتہذیب اور فلسفۂ علم وتعلیم کے چیلنج کا مدلل جواب دیا۔

مغرب سے مرعوب مصلحین اور مفکرین مغربی فکر وفلسفہ اور علوم کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی ترقی کے لیے واحد حل سمجھتے تھے۔ وہ نصابِ تعلیم میں مغربی فکر و فلسفۂ تعلیم کو من وعن داخل کرنا چاہتے تھے اور عملاً کر بھی رہے تھے، حالاں کہ انہیں چاہیے تھا کہ سب سے پہلے اس کا تنقیدی جائزہ لیتے اور اس کو اسلامی مبادیات کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے منفی پہلوؤں کو ترک کر دیتے اور مفید پہلوؤں کو اختیار کر لیتے ،لیکن انھوں نے ایسانہیں کیا۔ پھر اس سے وہ نتائج کیسے نکلتے جو اسلامی نقطۂ نظر سے مطلوب ہیں۔مولانا مودودیؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

> ''اگر آپ اس نظامِ تعلیم کو من وعن اختیار کر کے اپنی نوخیز نسلوں میں پھیلائیں گےتو ان کو ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے کھودیں گے۔آپ ان کو وہ فلسفہ پڑھاتے ہیں جو کائنات کے مسئلے کو خدا کے بغیر حل کرنا چاہتاہے۔ آپ وہ سائنس پڑھاتے ہیں جو معقولات سے منحرف اور محسوسات کا غلام ہے۔آپ ان کو تاریخ، سیاست، معاشیات، قانون اور تمام علوم عمرانیہ کی وہ تعلیم دیتے ہیں جو اصول سے لے کر فروع تک اور نظریات سے لے کر عملیات تک اسلام کے نظریات سے یک سر مختلف ہے۔اس کے بعد آپ کس بنیاد پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی سیرت اور کردار اسلامی نظریہ اور طرز کے مطابق ہوں گی۔''۱۵؎

مغربی علوم اپنے فکر و فلسفہ میں الہامی اور انبیائی تعلیمات کے پابند نہیں ہیں۔ ان علوم میں نہ خدا کے لیے کوئی جگہ ہے اور نہ یہ آخرت کی جواب دہی کا احساس دلاتے ہیں۔ یہ علوم فرد کو صرف پیٹ کا پجاری اور مادہ پرست بناتے ہیں۔مولانا مودی کے نزدیک جو کام کرنے کا ہے وہ یہ کہ نظامِ تعلیم کو از سر نو منظم کیا جائے اور اس کی اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تدوین کی کوشش کی جائے۔ اس حوالے سے ان کے نزدیک سب سے پہلے مغربی علوم وفنون پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ ان علوم کو جوں کا توں لینا درست نہیں۔ اس لیے تمام مغربی علوم کو تنقید کے ساتھ پیش کیا جائے اور یہ تنقید خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ہو، تاکہ ہر قدم پر ان کے ناقص اجزاء کو چھوڑ دیا جائے اور صرف کارآمد حصوں کو شامل کرلیا جائے۔

مولانا مودودی نے علوم کی اسلامی تدوین کا جو تصور دیا ہے اس کے ذریعہ وہ دراصل امت مسلمہ کو اس فکری بحران سے نکالنا چاہتے تھے جس میں وہ پھنس چکی تھی۔ وہ امت کو ایسا وژن دینا چاہتے تھے جو نظریاتی طور پر انتہائی مضبوط، مدلل اور مستحکم ہو اور اس سے ایسے افراد تیار ہوں جو نت نئے چیلنجز سے نپٹنے اور ان کو جواب دینے کے اہل ہوں۔ انھوں نے علوم کی اسلامی تدوین کے تین رہ نما خطوط پیش کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مغربی فکر اور فلسفۂ حیات کا جو طلسم قائم ہوا ہے اس کو توڑ ڈالا جائے۔ ایک معقول اور مدلل علمی تنقید کے ذریعہ یہ ثابت کیا جائے کہ مغربی علوم وفنون میں جتنے حقائق و واقعات ہیں وہ دراصل تمام دنیا کا مشترکہ علمی سرمایہ ہے۔ لیکن ان معلومات اور حقائق کی بنیاد پر اہل مغرب نے جو فلسفۂ حیات بنایا ہے وہ قطعی باطل ہے۔ جو معاشرتی علوم (Social Sciences) اور معاشرتی فلسفہ انھوں نے گھڑا ہے وہ پوری دنیا کے لیے موجبِ فتنہ وفساد ہے۔ اس لیے پہلا ضروری کام یہ ہے کہ مسلمانوں پر مغربی فکر و فلسفہ کا جو سحر ہے وہ ختم ہو جائے۔ اس کے بغیر مسلمانوں کو ذہنی مرعوبیت اور ذہنی شکست خوردگی اور مقلدانہ روش سے نہیں نکالا جا سکتا۔ ۱۶؎

(۲) دوسرا کام یہ کرنا ہوگا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تمام علوم وفنون کو نئے اسلوب اور نئے طریقے پر مرتب کیا جائے۔ بلاشبہ واقعات اور حقائق وہی رہیں گے جو دنیا کا مشترکہ علمی سرمایہ ہیں، لیکن ان پر جب تک ایک پورا نظام فکر وعمل اسلامی نقطۂ نظر سے مرتب نہ کیا جائے گا اور کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں یہ علوم نہ پڑھائے جائیں گے اس وقت تک آپ توقع نہ رکھیں کہ یہاں کبھی اسلامی تہذیب اٹھ سکتی ہے، بلکہ اس کا باقی رہنا بھی مشکل ہے۔ ۱۷؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳)اس کے بعد ضرورت ہوگی کہ ایک نیا نصاب مرتب کیا جائے اور اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کے قابل کتابیں تیار کی جائیں۔ اسلامی تعلیم کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ تمام اوقات میں تو ہم وہ علوم پڑھائیں جو مغربی مصنفین کی کتابوں میں ملتے ہیں اور صرف ایک پیریڈ میں طلبہ سے یہ کہہ دیا جائے کہ ایک ہستی کا نام اللہ ہے اور اس نے ایک ہستی کو رسول بنا کر بھیجا تھا، لیکن اللہ اور رسول کا مظاہرہ ان کو باقی اسباق میں نظر نہ آئے۔ لہٰذا اسلامی نقطۂ نظر سے نصاب تیار کرنا انتہائی ضروری ہے، تاکہ نئی نسل کے ذہنوں میں نہ صرف اسلامی فکر و فلسفہ نقش ہو جائے، بلکہ وہ نت نئے چیلنجز کا جواب بھی دینے کے قابل ہو جائیں۔ ۱۸ے

نئے تعلیمی نظام کا خاکہ

مولانا مودودیؒ نے نئے تعلیم نظام کا جو خاکہ پیش کیا اس میں سب سے پہلے انھوں نے چند خصوصیات کا تذکرہ کیا، جن میں دنیوی اور دینی علوم کی انفرادیت کو مٹا کر دونوں کو یک جا کر دینا، اختصاصی تعلیم کا طریقہ رائج کرنا اور واضح مقصد زندگی متعین کرنا اہم ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے افراد سازی پر بھی خاص توجہ دی۔ کیوں کہ جب تک افرادِ کار تیار نہ ہوں، کوئی بھی ریاست صحیح اور درست قدم نہیں اٹھا سکتی۔ اس لیے اولین فرصت میں ہر میدان کے لیے افراد تیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس ضمن میں مولانا کا کہنا ہے کہ ہمارے سامنے اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ دنیا میں اخلاقی، فکری اور عمرانی انقلاب برپا کرنے کے لیے موزوں لیڈر اور کارکن تیار کیے جائیں۔ اس کام کے لیے ڈاکٹری یا انجینیر نگ یا سائنس وغیرہ کے ماہرین کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دینِ اسلام اور علوم اجتماعیہ (Social Sciences) میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت رکھتے ہوں۔ ۱۹ے

مولانا مودودیؒ نے اس کام کے لیے پانچ شعبوں (Faculties) کے قیام کی سفارش کی اور ساتھ ہی ان کا تدریسی خاکہ بھی پیش کیا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) **فلسفہ:** تاریخِ فلسفہ، فلاسفہ، فلاسفۂ مسلمین کے مختلف اسکول، علم کلام، فلاسفہ غیر مسلمین کے مختلف اسکول، متصوفین، منطق، نفسیات، فلسفۂ اخلاق، نظری (Theoritical) سائنس، حکمت، قرآن اور اس کی مدد کے لیے حدیث۔

(۲) **تاریخ:** تاریخِ اسلام، تاریخِ مسلمین، تاریخِ عالم، تاریخ انقلاب، فلسفۂ تاریخ عمرانیات (Sociology) مختلف عمرانی فلسفے، مدنیات (Civics) سیاسیات، دساتیر عالم (Constitutions of the World)، اسلامی فلسفۂ تاریخ وفلسفۂ تمدن اور نظام اجتماعی وسیاسی کا مطالعہ قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

(۳) **معاشیات:** علم المعیشت، مختلف معاشی نظریے اور معاشی وتمدنی مسالک، دنیا کے مختلف معاشی نظام، مالیات (Finance) بینکنگ، قرآن و حدیث اور فقہ کا مطالعہ معاشی نقطیہ نظر سے۔

(۴) **قانون:** تاریخِ قانون، اصولِ قانون، قوانینِ امم، اصولِ قضا و نظام عدالت، قرآن وحدیث اور اسلامی مذاہبِ فقہ کا مطالعہ قانونی نقطیہ نظر سے۔

(۵) **علوم اسلامیہ:** عربی ادب و لغت، تفسیر، حدیث، فقہ، علوم اسلامی کی تاریخ، تاریخ افکار مسلمین، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، تاریخ ادیانِ عالم، فلسفۂ مذہب، دور جدید کی مذہبی واخلاقی تحریکیں، مغربی الحاد کی تاریخ۔[۲۰]

اس کے بعد مولانا مودودی نے ان ذہنی واخلاقی اوصاف کا بھی تذکرہ کیا ہے جن سے طلبہ اور اساتذہ کو آراستہ و پیراستہ ہونا چاہیے، کیوں کہ صرف بہتر علمی معیار کا ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ اخلاق وکردار کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ مولانا مودودی نے تعلیم کو ایک اکائی اور مرکب کی شکل میں پیش کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ نوخیز نسلوں کی علمی و ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کرنا ہے، بلکہ اس کے ساتھ اخلاقی اور عملی تربیت کا بندو بست بھی کرنا ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے ان باصلاحیت افرادِ کار کی ضروت ہے جو علمی وفکری طور سے مضبوط ہونے کے ساتھ اخلاقی تربیت سے بھی لیس ہوں۔ اسلامی تدوین کے لیے صرف جامع نصاب تیار کرنا ہی کافی نہیں، بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی وفکری تیاری کے علاوہ طلبہ اور نوجوانوں میں اخلاقی اوصاف پیدا کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ اس پر مولانا نے خاص توجہ دی اور اس پہلو کو خوب نمایاں کیا۔ اس تعلق سے انھوں نے جن اوصاف کا تذکرہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) فکرونظر اور ذہنیت کے اعتبار سے پورے مسلمان ہوں اور اسلام کے لیے لڑنے کا گہرا جذبہ رکھتے ہوں۔

(۲) دین میں تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہوں اور وہ تمام استعدادیں ان کے اندر نشوونما پائیں جو ایک صالح نظام تمدن واخلاق کی تعمیر کے لیے ضروری ہیں۔

(۳) ان کی دماغی تربیت اتنی اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنے زمانہ کی علمی دنیا پر ان کی ریاست کا سکّہ بیٹھ جائے۔

(۴) وہ ان رذائل اخلاق سے پاک ہوں جنھیں قرآن و حدیث میں کفار، فجار اور منافقین کی صفات قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس ان میں عباد اللہ، صادقین، صالحین اور محسنین، فائزین، **مفلحین** کے اوصاف پرورش کیے جائیں۔

(۵) وہ دنیا میں اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں، ہر میدان کے مرد ہوں اور زمین کو پیٹ کر ہر جگہ سے اپنا رزق حاصل کر لینے کی قابلیت ان کے اندر موجود ہو۔[۲۱]

سماجی علوم کی اسلامی تشکیل کے لیے ایک جامع نصاب تیار کرنا ایک مشکل کام ہے، جس کے لیے گہری علمی واجتہادی بصیرت کے ساتھ فہم وفراست اور زمانہ شناسی کا ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے لیے جہاں سیاسی اور اقتصادی طور سے مضبوط ہونا ضروری ہے وہیں اس کی مضبوطی اور استحکام کے لیے جامع نصاب تعلیم کا ہونا بھی لازم ہے، جو قرآن وحدیث کے اصولوں پر استوار ہو۔ اس بارے میں مولانا مودودی نے جو تعلیمی خاکہ پیش کیا اس کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

اسلامی یونی ورسٹی کے خدّوخال

مولانا مودودیؒ نے جولائی ۱۹۳۴ء میں ماہ نامہ ترجمان القرآن میں ایک مضمون 'ملت کی تعمیر نو کا صحیح طریقہ' کے عنوان سے لکھا تھا، جس میں انھوں نے بتایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ مسلمانوں کی نسل نو کی فکری اور دینی تربیت کے لیے کن اقدامات کی اور کس ترتیب کے ساتھ ضرورت ہے؟ اس ضمن میں ان کی یہ بات کافی اہمیت کی حامل ہے کہ ملت اسلامیہ کی عمارت دراصل اس ترتیب پر قائم ہوئی تھی کہ پہلے قرآن مجید، پھر رسول کی سنت، پھر اہل علم وبصیرت کا اجتہاد پیش نظر رہے۔ لیکن یہ ترتیب اب باقی نہیں رہی۔ انھوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ بدقسمتی سے اس ترتیب کو بالکل الٹ دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے جمود آ گیا ہے اور جس نے اسلام کو ایک ساکن وغیر متحرک شے بنا دیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ایسا تعلیمی ماڈل پیش کیا جس میں فکری، دینی اور اخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک امت مسلمہ کا احیاء اس وقت تک ممکن نہیں جب تک نظام تعلیم کی اصلاح نہ کی جائے اور اس کو صحیح رخ نہ دیا جائے۔ اسی لیے انھوں نے تعلیم کے ہر مرحلے (ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ) کی اصلاح کے لیے تجاویز پیش کیں۔

مولانا مودودیؒ نے تعلیم کی ازسرنو تشکیل کے لیے جو خواب دیکھا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ایک اسلامی یونی ورسٹی کی ضرورت شدت سے محسوس کرتے تھے۔ اس کا مقصد انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''درحقیقت عالم اسلام کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ نہ تو دارالعلوم ہے جو قدیم طرز کے علماء تیار کرے اور نہ جدید یونی ورسٹی، جو مغربی علوم کے ماہرین پیدا کرے، بلکہ ایک ایسی یونی ورسٹی کی ضرورت ہے جو دنیا میں اسلام کے علم بردار تیار کرسکے، جو اخلاق وکردار کے اعتبار سے اور ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مغربی طرز کے نظام تعلیم سے فارغ ہونے والوں کی بہ نسبت فائق تر ہوں۔''[۲۲]

مولانا مودودیؒ نے اسلامی یونی ورسٹی کے درج ذیل مقاصد قرار دیے:

(۱) وہ ایسے صالح علماء تیار کرے جو اس دورِ جدید میں ٹھیک دین حق کے مطابق دنیا کی رہ نمائی کرنے کے لائق ہوں۔

(۲) اس کا پورا ماحول ایسا ہونا چاہیے جو طلبہ میں تقویٰ اور اخلاق فاضلہ پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والا اوران کے اندر اسلامی ثقافت کو مستحکم کرنے والا ہو۔

(۳) اسے تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے کھلا ہونا چاہیے، تا کہ ہر جگہ کے طالب علم آزادی کے ساتھ اس میں آ کر داخل ہوسکیں۔

(۴) اسے لازماً اقامتی یونی ورسٹی ہونا چاہیے، جس میں طلبہ ہمہ وقت رہیں۔

(۵) اس کے لیے اساتذہ کا انتخاب صرف علمی قابلیت کی بنیاد پر ہی نہ ہو، بلکہ اس کے تمام اساتذہ اپنے عقائد ونظریات اور اپنی عملی زندگی کے لحاظ سے صالح اور متقی ہوں۔

(۶) اس کے طلبہ کو ایسی تربیت دی جانی چاہیے کہ ان کے اندر حسب ذیل اوصاف پیدا ہوں:

(آ) اسلام اور اس کی تہذیب پر فخر اور اسے دنیا میں غالب کرنے کا عزم۔

(ب) اسلامی اخلاق سے اتصاف اور اسلامی احکام کی پابندی۔

(ج) دینی ثقاہت اور مجتہدانہ بصیرت۔

(د) تنگ نظری اور فرقہ بندی سے پاک ہونا۔

(ہ) تحریر وتقریر، تنظیم وانتظام اور قیادت کی صلاحیتوں سے متصف ہونا۔

(و) جفاکشی، محنت، چستی اور اپنے ہاتھ سے ہر طرح کے کام کر لینے کی صلاحیت۔

(ز) اس میں صرف وہ لوگ داخل کیے جائیں جو ثانوی تعلیم سے فارغ ہو چکے ہوں۔ ۲۳

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا مودودیؒ نے ماڈل یونی ورسٹی کا جو تصور پیش کیا اس کا مظاہرہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں کئی مسلم ممالک میں دیکھنے کو ملا۔ مثال کے طور پر انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی ملیشیا (IIUM)، جو ۱۹۸۳ء میں قائم ہوئی۔ یہ اقامتی یونی ورسٹی ہے، جس کا دروازہ دنیا کے تمام طلبہ کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اس میں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان آپس میں بامقصد رشتہ قائم ہے اور یونی ورسٹی نے طلبہ اور اساتذہ دونوں کو اسلامی طرز زندگی اختیار کرنے کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ مذکورہ یونی ورسٹی کا مقصد دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام ہائے تعلیم ،یعنی اسلامی علوم کی اصلاح اور جدید علوم کی اسلامی تدوین کر کے دونوں کو آپس میں ضم کر کے پڑھانا ہے۔ یہ یونی ورسٹی اسلامی علوم کو پڑھانے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اعلیٰ تعلیم کی ایک جامع اور ہمہ گیر دانش گاہ ہے، جہاں علوم کے تمام شعبوں میں اسلامی اقدار اور اسلام کے فلسفۂ تعلیم کو مدنظر رکھ کر پڑھایا جاتا ہے۔ یونی ورسٹی کے پروفیشنل کورسز کا ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے،لیکن طلبہ کو عربی زبان میں بھی مہارت حاصل کرنی ہوتی ہے ۔ یونی ورسٹی اپنے مقصد کی طرف رواں دواں ہے۔ اس کی بنیادی غرض وغایت دنیائے اسلام کو ایسی اسلامی قیادت فراہم کرنا ہے جو ذہنی اور فکری طور سے توانا اور کردار وعمل کے اعتبار سے مضبوط ہو۔

علم اورامامت کا رشتہ

مولانا مودودیؒ نے ۵؍جنوری ۱۹۶۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کی انجمنِ طلبہ کے سامنے جو فاضلانہ خطبہ دیا تھا وہ علوم کی اسلامی تدوین کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔اس خطبہ میں مولانا نے زور دے کر کہا تھا کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم کے ساتھ وابستہ رہے گا۔انہوں نے نوجوان طلبہ اور علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''سب سے پہلے یہ امرغور طلب ہے کہ اس دنیا میں امامت وقیادت کا مدار آخر ہے کس چیز پر؟ کیا چیز ہے جس کی بنا پر کبھی مصر امام بنتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے چلتی ہے، کبھی یونان امام بنتا ہے اور دنیا اس کے پیروی کرتی ہے اور کبھی اسلام اقوام کا امام بنتا ہے اور دنیا اس کے نقش قدم پر ہولیتی ہے اور کبھی یورپ امام بنتا ہے اور دنیا اس کی متبع بن جاتی ہے؟ آخر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے امامت آج ایک کو ملتی ہے، کل اس سے چھن کر دوسرے کی طرف چلی جاتی ہے اور پرسوں اس سے سلب ہو کر تیسری کی طرف منتقل ہوجاتی ہے؟ کیا یہ بے ضابطہ اتفاقی امر ہے یا اس کا کوئی ضابطہ ہے؟ اس مسئلہ پر جتنا بھی غور کیا جائے اس کا جواب یہی ملتا ہے کہ ہاں، اس کا ضابطہ ہے اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ امامت کا دامن ہمیشہ علم سے وابستہ رہے گا۔ انسان کو بہ حیثیت نوع کے زمین کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلافت ملی ہی علم کی وجہ سے ہے۔'' ۲۴؎

اس کے بعد علم کی حقیقی ماہیت بیان کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ انسان کو سمع، بصر اور فؤاد، تین ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو دوسری مخلوقاتِ ارضی کو نہیں دی گئی ہیں۔ کلام الٰہی میں یہ تینوں لفظ مجرد سننے، دیکھنے اور سوچنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں، بلکہ سمع سے مراد دوسروں کی فراہم کردہ معلومات حاصل کرنا ہے، بصر سے مراد مشاہدہ کرکے واقفیت بہم پہچانا ہے اور فؤاد سے مراد ان دونوں ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات کو مرتب کرکے نتائج اخذ کرنا ہے۔ یہی تین چیزیں مل کر وہ علم بنتا ہے جس کی قابلیت انسان کو دی گئی ہے۔ مولانا کے نزدیک علم کے ان تینوں ذرائع سے مسلمانوں نے وہ کام انجام نہیں دیا جس کے لیے ان کو مکلف ٹھہرایا گیا تھا۔ بالآخر اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کو امامت کے منصب سے ہٹا دیا گیا اور ناخدا شناس اہل مغرب اس پر آبیٹھے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ''آپ کے ہاں مدت ہائے دراز سے علم کی جو حالت تھی اس میں بصر، فؤاد دونوں معطّل تھے اور سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا۔ بہ خلاف اس کے ناخدا شناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا۔ اس نے سمع سے بھی مسلمانوں سے بڑھ کر کام لیا اور پھر فؤاد کا کام پچھلی ڈھائی تین صدیوں سے تمام تر اسی نے انجام دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا اور یہی ہوا کہ وہ امام بن گیا اور مسلمان مقتدی بن کر رہ گئے۔'' ۲۵؎

مولانا مودودیؒ کے مطابق انقلابِ امامت کے لیے انقلابِ تعلیم ناگزیر ہے۔ اس تعلق سے انہوں نے چار چیزوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کو بدلنا بے حد ضروری ہے:

(۱) جو نظام تعلیم محض پرانے سمعی علوم تک محدود ہے اس میں یہ قابلیت ہرگز نہیں ہے کہ امامت میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے آپ کو تیار کرسکے۔ لہٰذا اس کو بدلنا ہوگا۔

(۲) ناخدا شناس ائمہ کی امامت میں رہ کر خدا پرستی کا مسلک زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا ایمان واعتقاد کا تقاضا یہ ہے کہ اس امامت کو مٹانے اور خدا شناس امامت کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا میں قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

(۳) علوم اسلامیہ کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا جائے تو یہ بھی امامت میں انقلاب کرنے کے لیے آپ کو تیار نہیں کرسکتا۔

(۴) جدید تعلیم کے ساتھ دینیات کے کسی کورس کو الگ سے جوڑ دینا پچانوے (۹۵) فی صد بالکل لاحاصل ہے۔۲۶؎

علمی تحقیقات اور نئے محققین کی ضرورت

فکر و فلسفہ اور تعلیم و تعلّم کے میدان میں مسلمانوں کے زوال کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے نئی تحقیقات اور اس میں آگے بڑھنے کا کام قریب ترک کردیا۔ جو کچھ ماضی میں علمی کام ہوچکا تھا صرف اسی کے گیت گاتے رہے۔ اب مسلمانوں کا صرف یہ مشغلہ رہ گیا کہ وہ کتابوں پر حاشیے در حاشیے لکھتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف اہل مغرب نے نئی نئی تحقیقات اور معلومات کے ذرائع و وسائل جمع کرنے شروع کیے، جن کی بنیاد پر انہوں نے نئی فکر اور نیا فلسفۂ حیات گھڑ لیا اور مسلمان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منتظرِ فردا رہے اور ان کی تقلیدِ محض کرتے رہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں ان کا علمی وزن بے حد کم ہوگیا اور وہ رفتہ رفتہ جمود و تعطّل میں مبتلا ہوگئے۔ مسلمانوں کو مغربی فکر و فلسفہ اور تعلیم کے فاسد عناصر سے بچنے کے لیے نئی علمی تحقیقات کی اشد ضرورت ہے۔ جو قوم دنیا میں نئی نئی معلومات، وسائل و ذرائع اور علوم و فنون کو جمع کرتی ہے وہ دنیا میں لازماً اپنی تہذیب کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ علم و تحقیق کی بدولت ہی کسی قوم میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور اسی قوم کو دنیا میں غلبہ اور طاقت حاصل ہوتی ہے جو علم و تحقیق سے چمٹی رہتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:

> ”اب ایک نسأۃ جدیدہ کی ضرورت ہے، کیوں کہ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا۔ علم و عمل کے میدان میں وہی رہ نمائی کرسکتا ہے جو دنیا کو آگے کی جانب چلائے، نہ کہ پیچھے کی جانب۔“۲۷؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودیؒ کے نزدیک مسلمانوں کو زوال و پستی سے نکالنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ان میں ایسے مفکر اور محقق پیدا ہوں جو فکر و نظر اور تحقیق و اکتشاف کی قوت سے ان بنیادوں کو ڈھادیں جن پر مغربی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی ہے۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریقِ فکر و نظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جستجو سے ایک نئے نظامِ فلسفہ کی بنیاد رکھنے کی ضرورت ہے، جو خالص اسلامی فکر کا نتیجہ ہو۔ ۲۸؎ ان کے بہ قول مفکرین اور محققین کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ایک نئی حکمت طبیعی (Natural Science) کی عمارت کی بنا ڈالیں، جو قرآن کے عین مطابق ہو، ملحدانہ نظریہ کو توڑ کر الٰہی نظریہ پر فکر و تحقیق کی اساس قائم کریں اور جدید فکر و تحقیق کی عمارت کو اس قوت کے ساتھ اٹھائیں کہ وہ پوری دنیا پر چھا جائے، تاکہ دنیا میں مغرب کی مادی تہذیب کے بجائے اسلام کی حقانی تہذیب جلوہ گر ہو۔ ۲۹؎

دنیا کی قیادت و رہ نمائی وہی قوم کرتی ہے جو علم و تحقیق اور تفکر و تدبر سے کام لیتی ہے، نیز وہ فکری غلبہ کے ساتھ مادی غلبہ بھی حاصل کرتی ہے۔ جو قوم تحقیق و اکتشاف کی راہ میں کوتاہی اور لاپروائی برتتی ہے، دنیا میں اس کو اس جھاگ سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی جس کو پانی آسانی سے بہا لے جاتا ہے، ذلت و پستی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور وہ دنیا میں دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مولانا مودودی کے مطابق فکری غلبہ و استیلاء کی بنا دراصل فکر و اجتہاد اور علمی تحقیق پر قائم ہوتی ہے۔ جو قوم اس راہ میں پیش قدمی کرتی ہے وہی دنیا کی امام بن جاتی ہے اور اسی کے افکار دنیا میں چھا جاتے ہیں اور جو قوم اس کام میں پیچھے رہ جاتی ہے اسے مقلّد و متّبع رہنا پڑتا ہے۔ مسلمان جب تک تحقیق و اجتہاد کے میدان میں آگے بڑھتے رہے، دنیا کی قومیں ان کی پیرو رہیں اور اسلامی فکر ساری نوع انسانی کی افکار پر غالب رہی۔ ۳۰؎

مولانا مودودی تجدیدِ دین کے لیے تمام علوم و افکار کو اسلامی رنگ میں پیش کرنا انتہائی ضروری سمجھتے تھے۔ اس کام کے لیے وہ ایک ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت محسوس کرتے تھے، جو یہ عظیم کار خیر بہ حسن خوبی انجام دے سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تجدیدِ دین کے لیے صرف علوم دینیہ کا احیاء اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت ہے، جو تمام علوم و افکار اور تمام فنون و صناعات پر اپنا اثر پھیلا دے اور تمام امکانی قوتوں سے اسلام کا کام لے"۳۱؎

دینی اور دنیاوی تعلیم میں تفریق

علم ایک اکائی ہے۔ اس کو دو خانوں میں بانٹنا اسلام کے منشا کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام نے علم کو نافع اور غیر نافع میں تقسیم کیا ہے۔ قرآن مجید میں علم کے ہر شعبہ کو اللہ کے نام کے ساتھ جوڑنے کی بات کی گئی ہے۔ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں علم کو اللہ کے نام کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ (سورۃ العلق: ۱)

پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ، جس نے پیدا کیا۔

فرد اور سماج میں بگاڑ تب ہی رونما ہوتا ہے جب دین اور دنیا کو ایک دوسرے سے الگ کیا جانے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ علم کو دینی اور دنیاوی خانوں میں تقسیم کیا جائے۔ مولانا مودودیؒ کے نزدیک یہ تقسیم اسلامی نقطۂ نظر کے بالکل خلاف ہے۔ وہ نہ صرف دین و دنیا یا دین و سیاست میں تفریق کے قائل نہیں، بلکہ دینی و دنیاوی علوم کی تفریق کے بھی سخت مخالف ہیں اور اس تفریق کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تعلیم کو دو خانوں میں بانٹنے کو امت مسلمہ کے زوال کا اہم سبب تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نظام تعلیم کی دوئی پسندی نے ہی امت مسلمہ میں فکری اور عملی مسائل پیدا کیے۔ وہ اس پر براہ راست تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"علوم کو دینی اور دنیوی دو الگ الگ قسموں میں منقسم کرنا دراصل دین اور دنیا کی علیٰحدگی کے تصور پر مبنی ہے اور یہ تصور بنیادی طور پر غیر اسلامی ہے۔ اسلام جس چیز کو دین کہتا ہے وہ دنیا سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، بلکہ وہ دنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ اللہ کی سلطنت ہے اور اپنے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم اللہ کی رعیت ہیں اور دنیاوی زندگی میں ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> طرح سے وہ رویہ اختیار کرنا جو اللہ کی رضا اور اس کی رعیت کے مطابق ہو، اسی چیز کا نام دین ہے۔ اس تصوّرِ دین کا اقتضایہ ہے کہ تمام دنیاوی علوم کو دینی علوم بنا دیا جائے۔''۳۲؎

مقصدِ تعلیم

تعلیم انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ وہ انسان کے فکر وشعور کو پختہ کرتی اور اس کے مستقبل کا رخ موڑ دیتی ہے ۔ ایک صحت مند اور خداشناس معاشرے کی تعمیر میں تعلیم اہم رول ادا کرتی ہے ۔ اسلامی ریاست میں بھی اس کا اہم مقام ہے، کیوں کہ اس کے ذریعہ بامقصد افراد تیار ہوتے ہیں، جو خلافت کی ذمہ داری بہ حسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں تعلیم کا مقصد سرمایہ کی خدمت قرار پایا ہے اور اس کو روزگار سے منسلک (Job oriented) کر دیا گیا ہے۔ اب تعلیم کو ہر جگہ پیداواری صلاحیت میں اضافہ کا اہم اور لازمی جز تصور کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے تعلیم کو صحیح سمت (Direction) دی۔ وہ بے مقصد تعلیم سے بے حد نالاں تھے۔ ایک اسلامیہ اسکول کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

> ''مجھے بہ کثرت ایسے نوجوانوں سے ملنے کا موقع ملتا ہے جو اعلیٰ تعلیم پا رہے ہیں، یا تازہ فارغ ہوئے ہیں۔ میں سب سے پہلے یہ تحقیق کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا کوئی مقصد بھی معیّن کیا ہے یا نہیں۔ مگر میری مایوسی کی انتہا نہیں رہتی جب میں دیکھتا ہوں کہ مشکل سے ہزاروں میں کوئی ایک ایسا ملتا ہے جو اپنے سامنے زندگی کا کوئی مقصد رکھتا ہو، بلکہ بیش تر افراد ایسے ہیں جس کے ذہن میں سرے سے کوئی تصور ہی نہیں ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد بھی ہونا چاہئے۔''۳۳؎

۱۹۶۱ء میں مولانا نے نئے تعلیمی نظام کا جو خاکہ پیش کیا تھا اس میں بامقصد تعلیم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے واضح مقصدِ زندگی اور منتہائے سعی وعمل ہو، یعنی ان سب کو مسلکِ خدا پرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لیے جہاد کبیر کرنا ہے۔۔۔۔۔۔طلبہ کی شخصی زندگی، ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باہمی اجتماعات، ان کے کھیل کود اور تفریحات اور ان کے درسی و تدریسی اور مطالعہ و تحقیق کے تمام مشاغل میں اسی مقصد کی کارفرمائی ہوگی، اسی کے مطابق ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کی جائے گی۔ مولانا مودودی دوسروں کا تجویز کردہ نظام تعلیم اختیار کرنے اور اس کے مطابق اپنے نوجوانوں کی تربیت کرنے کو خودکشی کے مترادف قرار دیتے ہیں، کیوں کہ ان کا مقصدِ تعلیم کچھ اور ہے، جس کے مطابق وہ اپنی نئی نسل کو تیار کرتے ہیں۔ مولانا نے تعلیم کے جو مقاصد بیان کیے ہیں ان میں بڑی جامعیت ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''ہمارے پیش نظر تعلیم کا یہ مقصد ہونا چاہئے کہ ہم ایسے افراد تیار کریں جو ہماری قومی تہذیب کو، اور ہماری قومی تہذیب ہمارے دین کے سوا اور کیا ہے، لہٰذا ہمارے دین کو اچھی طرح سمجھتے ہوں، اس پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہوں، اس کے اصولوں کو خوب جانتے ہوں، اس کے مطابق مضبوط سیرت اور قابل اعتماد اخلاق رکھتے ہوں۔'' ۳۴؎

انھوں نے رائج نظام تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ العلم اور حکمت دونوں سے خالی ہے۔ اس میں انسان کو سبھی کچھ سکھایا جاتا ہے، لیکن اسے العلم اور حکمت نہیں سکھائی جاتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے طلبہ اور نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''آپ کے مدرسوں اور کالجوں میں اس کا انتظام ہو یا نہ ہو، آپ اپنی تعلیم میں سب سے مقدم العلم اور حکمت کو رکھیں۔'' ۳۵؎

بے مقصد زندگی گزارنا بے مقصد نظام تعلیم ہی کا نتیجہ ہے۔ مولانا نے اس پر نقد کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس نظام تعلیم کو جس کسی نام سے یاد کروں، وہ پندرہ بیس سال کی مسلسل دماغی تربیت کے بعد بھی انسان کو اس قابل نہیں بناتا کہ اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا کوئی مصرف اور اپنی کوششوں کا کوئی مقصود متعین کرسکے، بلکہ زندگی کے کسی نصب العین کی ضرورت ہی محسوس کرسکے۔ یہ انسانیت کو بنانے والی تعلیم ہے، یا اس کو قتل کرنے والی؟ بے مقصد زندگی گزارنا حیوانات کا کام ہے۔'' ۳۶؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تنقیحات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی ۲۰۰۶، ص:۳۲

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، علمی تحقیقات کیوں اور کس طرح ؟ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص:۹۔۱۰

۳۔ تنقیحات، ص:۱۵

۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۶۹

5. Wilfrid Cantwell Smith, *Islam In Modern History* ,New York,The New Amarican Library,1957,p:236

6. The Economist , June 2014

7. Fathi Osman," Mawddudi's contribution to the development of modern Islamic thinking in the Arab speaking people",The Muslim World,July-Oct 2003 P.468

8. Roy Jackson, , *Fifty Key Figures in Islam* , Landon And New York ,Routledge, 2006,p:19

۹۔ نعیم صدیقی، تعلیم کا تہذیبی نظریہ، الفیصل اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹، ص:۲۹۹

۱۰۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تعلیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص:۶۹

۱۱۔ حوالہ سابق، ص:۲۲

۱۲۔ پروفیسر خورشید احمد، ادبیات مودودی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ص:۲۰۲

۱۳۔ تعلیمات، ص:۵۶

۱۴۔ حوالہ سابق، ص:۴۵

۱۵۔ علمی تحقیقات۔ کیوں اور کس طرح ؟ ص:۱۲

۱۶۔ حوالہ سابق، ص:۱۸

۱۷۔ حوالہ سابق، ص:۸۷

۱۸۔ تعلیمات، ص:۸۸

۱۹۔ حوالہ سابق، ص:۲۰

۲۰۔ حوالہ سابق، ص:۱۱۷۔۱۱۸

۲۱۔ حوالہ سابق، ص:۱۲۰

۲۲۔ حوالہ سابق، ص:۶۰

۲۳۔ حوالہ سابق، ص:۶۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۴۔ حوالہ سابق، ص:۵۶

۲۵۔ حوالہ سابق، ص:۶۰

۲۶۔ حوالہ سابق، ص: ۶۷

۲۷۔ حوالہ سابق، ص: ۳۷

۲۸۔ حوالہ سابق، ص:۱۶

۲۹۔ حوالہ سابق، ص: ۱۷

۳۰۔ حوالہ سابق، ص: ۳۷

۳۱۔ حوالہ سابق

۳۲۔ حوالہ سابق، ص:۶۹۔۷۱

۳۳۔ حوالہ سابق۔ ۵۰

۳۴۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام تعلیم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی۔ ۲۰۰۷، ص: ۱۴

۳۵۔ ثروت صولت، مولانا مودودی کی تقاریر، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۷۶، حصہ سوم، ص ۱۱۳

۳۶۔ تعلیمات، ص:۵۰

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے:

خدمت خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر و ثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت سب کی کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی و اجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔

اس کتاب کا انگریزی، عربی ہندی، ملیالم اور ٹمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

صفحات: ۱۵۴ **قیمت: ۱۱۰/روپے**

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

© rasailojaraid.com